طلسم گنجینۂ معنی

وقار عظیم

شاعر اپنی ذات کا ترجمان ہے اور اس کا ہر شعر کسی نہ کسی انداز سے اس کی ذات کے کسی رخ کی تعبیر و تفسیر ہے۔ لیکن اس تعبیر و تفسیر میں لفظ معنی کے ابلاغ کی خدمت انجام دیتے ہیں اور یوں گویا شعر کے معنی و مفہوم سے جب ہم شاعر کی ذات کے کسی رخ تک رسائی حاصل کرتے ہیں تو اس شعر میں لفظ ہمارا رفیق و رہنما بنتا ہے۔ لفظ کی صحیح وضاحت ہی سے معنی کا ادراک بھی ممکن ہوتا ہے اور اس معنی کی تہ میں چھپی ہوئی ذات کا عرفان بھی۔ لفظ، معنی اور ذات کے اس باہمی رشتے کا احساس ہمیں ہر بڑے شاعر کا کلام پڑھتے وقت ہوتا ہے اور مطالعے کی ایک منزل پر پہنچ کر ہمیں اندازہ ہونے لگتا ہے کہ شاعر نے معانی کے ابلاغ کے لئے بیان کا جو پیرایہ اختیار کیا ہے اس میں بعض خاص لفظوں یا ترکیبوں کا اعادہ بار بار ہوتا ہے، اور یہی خاص لفظ اور یہی خاص ترکیبیں ہیں جن سے شاعر کے اسلوب کی اور اس اسلوب کے رشتے سے اس کی شخصیت کی انفرادیت متعین ہوتی ہے۔ اسلوب کی ایسی انفرادیت کو ہم شاعر کا مخصوص Diction کہتے ہیں۔

یہ مخصوص Diction جذبے، احساس، تخیل اور تفکر کی مخصوص نوعیت سے پیدا ہوتا ہے۔ جذبے، احساس، تخیل اور تفکر کی اس مخصوص نوعیت سے شاعر کے شعری تجربے کو جو خاص شکل ملتی ہے اسی سے اظہار کا ایک پیرایہ وجود میں آتا ہے اور اس مخصوص پیرایۂ اظہار میں لفظوں کا ایک خاص مجموعہ دوسرے لفظوں کے مقابلے میں زیادہ تکرار اور تواتر سے ہمارے سامنے آتا ہے، اور بالآخر ہمیں یہ محسوس کرنے میں ذرا بھی دقت محسوس نہیں ہوتی کہ لفظوں کے اس مجموعے سے تعلق رکھنے والے ہر لفظ میں معنی کی ایک ایسی تہ ہے جہاں اب تک ہماری رسائی نہیں ہوئی تھی۔ لفظوں کے ان پوشیدہ معنوی امکانات کا علم ہمیں اس وقت ہوا جب شاعر نے اسے ایک تجربے کے اظہار اور ابلاغ کا وسیلہ بنایا۔

ہمارے اپنے عہد میں لفظ اور معنی کے رشتے کی یہ نوعیت جس طرح اقبال کی شاعری میں بار بار نمایاں ہوتی ہے کسی اور شاعر کے یہاں نہیں ہوتی اور عموماً یہ ہوتا ہے کہ لفظ جہاں ایک طرف کسی مخصوص مفہوم اور معنی کے ابلاغ کا ذریعہ بنتا ہے دوسری طرف یہ کہ اس لفظ میں آنے والا کوئی ایک حرف اپنے صوتی آہنگ کی بنا پر ایک مخصوص تاثر کی تخلیق میں حصہ لیتا ہے۔ اقبال کے شارحین نے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے اس تاثیر کا ذکر بھی کیا ہے جو اقبال نے بعض حروف کے صوتی آہنگ کی مدد سے پیدا کی ہے، مثلاً ر، ل، س اور ک۔ اسی طرح کے چند حروف ہیں جن سے اقبال اردو اور فارسی دونوں میں خوشگوار صوتی تاثر، ترنم یا نغمگی پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک حرف 'غ' بھی ہے، جس کے صوتی آہنگ میں ر، ل، س اور ک کی نرمی اور سبک پن کے بجائے ایک خاص طرح کی خوشگوار گونج ہے اور اس گونج سے اقبال کو بارہا مطلوبہ تاثر پیدا کرنے میں مدد ملی ہے۔ مثنویوں کے ان بہت سے اشعار کے علاوہ جن میں 'غ' پر ختم ہونے والے لفظ قافیہ کے طور پر استعمال ہوئے ہیں، ضرب کلیم، بال جبریل اور پیام مشرق کی کئی نظموں میں داغ، راغ، زاغ، باغ، دماغ، چراغ، ایاغ، سراغ اور فراغ کے قافیے لائے گئے ہیں، بلکہ اس تاثر میں زیادہ گونج اور جھنکار پیدا کرنے کے لئے کبھی کبھی اس طرح کے دو لفظوں کو ملا کر مرکب بنا لیا گیا ہے۔ باغ و راغ اسی طرح کی ترکیب ہے جو پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ، اور پس چہ باید کرد کے کئی شعروں میں استعمال کی گئی ہے اور ہر جگہ اس سے اس مخصوص فضا کی تشکیل میں بھی حصہ لیا ہے جو شاعر کا مقصود ہے اور اپنے صوتی تاثر سے شعر کے نغماتی آہنگ کی تعمیر بھی ہے۔ لیکن اس وقت میری گفتگو کا موضوع 'غ' پر ختم ہونے والا ایک ایسا لفظ ہے جو اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے اقبال کی حکیمانہ شاعری کے مجموعی مزاج کا ساتھ بھی دیتا ہے اور اس مزاج کی تشکیل جن اجزا سے ہوتی ہے ان میں سے ہر ایک کا پرتو بھی اس میں موجود ہے۔ یہ لفظ 'فروغ' ہے۔ جو بانگ درا کے علاوہ ان کے کلام کے ہر مجموعے میں بار بار آیا ہے اور مزاج کی وہی خصوصیات لے کر آیا ہے جن کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا۔ اور ایک لحاظ سے تو یہ بانگ درا میں بھی موجود ہے کہ وہ نظموں کے ان اشعار میں استعمال ہوا ہے جنھیں بانگ درا کی ترتیب کے وقت شامل نہیں کیا گیا، مثلاً بانگ درا کے جو گیارہ شعر والدہ مرحومہ کی یاد میں شامل نہیں ہیں ان میں سے ایک شعر یہ ہے۔

دیکھنے میں گرچہ ہے مثل شرر ان کا فروغ
خندہ زن ہے صرصر ایام پر ان کا فروغ

اسی طرح اقبال نے 'ابر گہر بار' کے نام سے ایک نظم انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں پڑھی اور بعد میں وہ ۱۹۱۳ء میں 'فریاد اُمت' کے نام سے چھپی۔ اس کے چوتھے بند میں یہ شعر آیا ہے۔

ہے فروغ دو جہاں داغ محبت کی ضیا
چاند یہ وہ ہے کہ گھٹتا نہیں کامل ہو کر
(باقیات اقبال، صفحہ ۲۶)

ایک اور مثال اُس قطعہ کی ہے جو اقبال نے 'شمع اور شاعر' پڑھنے سے پہلے انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں پڑھا تھا۔ چار شعروں کے اس قطعہ کا پہلا شعر یہ ہے۔

ہم نشین بے ریایم از رہ اخلاص گفت
اے کلام تو فروغ دیدۂ برنا و پیر
(باقیات اقبال، صفحہ ۱۲۲)

باقیات اقبال (صفحہ ۱۳۲) میں چار ایسے شعر درج ہیں جو حالی کی صد سالہ برسی کے موقع پر نواب صاحب بھوپال کی موجودگی میں پڑھے گئے۔ ان چار اشعار میں سے ایک میں نواب صاحب بھوپال کی تعریف کی گئی ہے۔

حمیداللہ خاں اے ملک و ملت را فروغ از تو
ز الطاف تو موج لالہ خیزد از خیابانم

محولہ' بالا چار شعروں میں سے پہلے تین شعروں میں 'فروغ' کا لفظ 'روشنی' اور چمک ، کے معنی میں استعمال ہوا ہے ، البتہ چوتھے شعر میں اس لفظ سے کئی معنی لئے جا سکتے ہیں: روشنی ، رونق اور ترقی ، لیکن بہ حیثیت مجموعی یہاں 'فروغ' سے ایک ایسے معنی نکلتے ہیں جو روشنی ، رونق اور ترقی کے علاوہ ہے اور جس کا احاطہ یہ لفظ نہیں کرتے۔

اب ذرا یہ دیکھئے کہ لغات میں 'فروغ' کے کیا معنی درج ہیں: انگریزی کے لغات اسٹائنگاس اور پلاٹس میں علی الترتیب 'فروغ' کے لئے یہ الفاظ درج ہیں:

اسٹائنگاس: splendour, light, brightness, flame

پلاٹس: مندرجہ بالا چاروں لفظوں کے علاوہ Illumination نیز glory، fame اور honour

نوراللغات میں فروغ کے مرادفات یہ ہیں: روشنی ، چمک ، سرافرازی، رونق، سبقت، ترجیح۔

اور فرہنگ آنند راج میں صرف دو مرادفات درج ہیں ۔ روشنی اور تابش ۔ انگریزی کے لفظوں میں glory اور splendour دو ایسے لفظ ہیں جن کا مرادف اُردو اور فارسی کی فرہنگوں میں نہیں ۔ البتہ سرفرازی کا لفظ کسی حد تک اس مفہوم کو ادا کرتا ہے، اس لیے فہرست میں شان و شوکت ۔ رفعت ۔ عظمت اور جلال کے الفاظ بھی شامل کئے جا سکتے ہیں ۔

اقبال کا فلسفہ بنیادی طور پر اثبات خودی کا فلسفہ ہے جو خود اقبال کے نزدیک نفیٔ خودی کے زہر کا تریاق ہے ، اور یہ فلسفہ انسان کو ذات ، عمل ، جدوجہد کا اور مسلسل اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا سبق دیتا ہے کہ اسی طرح ذات کے جوہر بھی اُبھرتے ہیں اور جہان رنگ و بو کا پوشیدہ حسن بھی نمایاں ہوتا ہے ۔ اقبال نے خودی اور کائنات کے جملہ امکانات کے واضح ہونے کا جو نقشہ اپنے تخیل میں بنایا ہے اُس کے اظہار کے لئے 'فروغ' کا لفظ استعمال کیا ہے کہ اس لفظ کے ساتھ روشنی ، ترقی ، عظمت ، رفعت ، جلال اور جمال کے تصورات یکجا ہو کر سامنے آتے ہیں ۔

اقبال کے کلام میں 'فروغ' کا لفظ جتنی جگہ بھی استعمال ہوا ہے وہاں کبھی تو محض روشنی ، نور یا جلوے کا مفہوم ادا کرتا ہے ، کہیں اس سے رونق اور چہل پہل کے معنی نکلتے ہیں ، لیکن زیادہ موقعے ایسے ہیں جہاں کئی تصورات ایک ساتھ مل کر ذہن پر وارد ہوتے ہیں اور ایک یا دو لفظ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے ، بلکہ کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ 'فروغ' کے لفظ نے اس جگہ جتنے معانی و مفاہیم کا احاطہ کیا ہے لغت کے تمام لفظ مل کر بھی اُسے اپنی گرفت میں نہیں لے سکتے ۔ پہلے چند شعر ایسے سنئے جہاں 'فروغ' روشنی یا نور کے معنی میں آیا ہے ۔

اے فروغ دیدۂ برنا و پیر
سّرِ کار از ہاشم و محمود گیر

پس چہ باید کرد ، ۳۸

———

نہ در دیدۂ او فروغ نگاہے
نہ در سینۂ او دل بیقرارے

پیام مشرق ، ۱۳۸

———

اگرچہ زادۂ ہندم فروغ چشم من است
ز خاک پاک بخارا و کابل و تبریز

پیام مشرق ، ۲۰۳

———

ترا جوہر ہے نوری، پاک ہے تو
فروغ دیدۂ افلاک ہے تو

اے سوار اشہب دوراں بیا
اے فروغ دیدۂ انساں بیا

اسرار خودی ، ۵۱

رہ دراز بریدم ز ماہ پرسیدم سفر نصیب ! نصیب تو منزلے است کہ نیست؟
جہاں ز پرتو سیمائے تو سمن زارے فروغ داغ تو از جلوۂ دلے است کہ نیست؟
سوئے ستارہ رقیبانہ دید و ہیچ نہ گفت "نظم تنہائی"
پیام مشرق ، ۱۳۷

ان سب شعروں میں جو علی الترتیب "پس چہ باید کرد"، "پیام مشرق"، "بال جبریل"، "اسرار خودی" اور "پیام مشرق" سے لئے گئے ہیں "فروغ" روشنی اور نور کے معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن ہر جگہ لفظ سے جو مفہوم برآمد ہوتا ہے وہ روشنی اور نور کے لفظوں کے معنوی حدود سے وسیع تر ہے ، خاص کر فروغ دیدۂ افلاک، فروغ دیدۂ انساں اور فروغ داغ تو ، کی ترکیبوں میں ۔

اب چند شعر ایسے ملاحظہ کیجئے جن میں 'فروغ' کا لفظ 'ترقی' یا رونق ، کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے ۔

علم اشیا داد مغرب را فروغ
حکمت او ماست می بندد ز دوغ

پیام مشرق ، ۹

سحرہا در گریبان شب اوست
دو گیتی را فروغ از کوکب اوست
نشان مرد حق دیگر چہ گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

ارمغان حجاز ، ۱۶۵

ذوق تخلیق آتشے اندر بدن
از فروغ او فروغ انجمن

خلافت آدم ، جاوید نامہ ۷۶

فروغ دانش ما از قیاس است
قیاس ما ز تقدیر حواس است

زبور عجم ، ۲۳۶

لیکن ان اشعار کو بھی غور سے پڑھا جائے تو ان میں آنے والا 'فروغ' کا
لفظ محض 'ترقی' یا محض 'رونق'

صرف محسوس کیا جا سکتا ہے ، اور مفہوم کو محسوس کرنے والی بات اُن شعروں میں اور بھی زیادہ ہے جن میں شاعر نے 'فروغ' کے لفظ کو کئی ملے جلے معنوں میں اس طرح استعمال کیا ہے کہ کئی لفظ مل کر بھی اس مفہوم کا پوری طرح احاطہ نہیں کر سکتے ۔ یہ شعر تخیل کی جولاں گاہ البتہ بنتے ہیں اور ہم 'فروغ' کے لفظ میں سے زندگی کے وہ گوناگوں نقش اُبھرتے دیکھتے ہیں ، جو اپنی رنگینی اور تابناکی میں اُن نقوش سے مختلف ہیں جن کا مشاہدہ نگہِ ظاہربیں کرتی ہے ۔ جاوید نامہ ، پیام مشرق ، بال جبریل ، اور ضرب کلیم کے ان شعروں کی یہی کیفیت ہے ۔

فروغ مشت خاک از نوریاں افزوں شود روزے
زمیں از کوکب تقدیر او گردوں شود روزے

جاوید نامہ ۱۰ (نغمۂ ملائک)

فروغ او بہ بزم باغ و راغ است
گل از صہبائے او روشن ایاغ است

شب کس در جہاں تاریک نگزاشت
کہ در ہر دل ز داغ او چراغ است

پیام مشرق ، ۶۵

مرد خدا کا عمل ، عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات ، موت ہے اُس پر حرام

مسجد قرطبہ ، بال جبریل ، ۱۲۷

یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحب مقصود
ہزار گونہ فروغ و ہزار گونہ فراغ

جاوید نامہ ، ۱۵۷

وہ دانائے سبل ، ختم الرسل ، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

بال جبریل ، ۱۱۹

اور پھر بالآخر ضرب کلیم کے یہ دو شعر

عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
فروغ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ضرب کلیم ، ۲۹

مہر و مہ و مشتری چند نفس کا فروغ

ان سب شعروں میں 'فروغ' کے لفظ سے معنی اور مفہوم کا جو تصور ابھرتا ہے وہ نہ محض روشنی و نور ہے ، نہ محض رونق و ترقی اور نہ محض عظمت و رفعت۔ شعر پڑھ کر گرد و پیش کے ماحول کی جو تصویر ہمارے ذہن میں بنتی ہے اُس میں اُن سب رنگوں کا ملا جلا عکس ہے جو ان میں سے ہر لفظ میں الگ الگ جلوہ فگن ہے اور تصورات کی یہ ملی جلی کیفیت جہاں ایک طرف ذہن کے لئے نشاط و انبساط کا سرمایہ مہیا کرتی ہے ، اُس سے دل کے تاروں میں کبھی ایک لرزش خفی پیدا ہوتی ہے اور دل ایک ایسے جمالیاتی احساس سے آشنا ہوتا ہے جو بہ یک وقت رنگ بھی ہے اور نغمہ بھی ۔ اور یہ اُسلوب شعری کا ایسا اعجاز ہے جس سے ہم اقبال کے وسیلے سے آگاہ ہوئے ہیں ۔ اقبال نے ایک جگہ کہا ہے

ز شعر دلکش اقبال می تواں دریافت
کہ درس فلسفہ می داد و عاشقی ورزید

'عاشقی ورزید' میں مجھے کلام اقبال کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ شعر کا موضوع خواہ فلسفہ ھی کیوں نہ ھو اُس کا اُسلوب ہمیشہ دل آویز اور دل نشیں ہوگا ، اور شعر اقبال میں دل آویزی اور دل نشینی دوسری بہت سی چیزوں کے علاوہ اس بات سے بھی پیدا ہوئی ہے کہ وہ لفظ کی معنوی اہمیت کے علاوہ اُس کی جمالیاتی حیثیت کے رمز شناس ہیں ، اور لفظ کو شعر میں صرف اس لئے جگہ دیتے ہیں کہ وہ بہ یک وقت فلسفی کی میراث بھی ہے اور شاعر و سخنی کی بھی اور 'فروغ' کا لفظ میراث کے اس مشترک سرمائے اور خزینے کا صرف ایک لعل بے بہا ہے ۔

IQBAL REVIEW

Journal of the Iqbal Academy Pakistan

This Journal is devoted to research studies on the life, poetry and thought of Iqbal and on those branches of learning in which he was interested: Islamics, Philosophy, History Sociology, Comparative Religion, Literature, Art and Archaeology.

Published alternately

in

English & Urdu

Subscription

(for four issues)

Pakistan	Foreign countries
Rs 15/-	USA $ 5.00 or £ Stg. 1.75

Price per copy

Rs. 4/-	USA $ 1.50 or £ Stg. 0.50

All contributions should be addressed to the Secretary, Editorial Board, *Iqbal Review*, 43-6/D, Block No 6, P.E.C.H. Society, Karachi. The Academy is not responsible for the loss of any article in any manner whatsoever. No article is returned unless accompanied with a stamped envelope.

Published by

Dr. M. Moizuddin, Secretary of the Editorial Board and Director, *Iqbal Academy Pakistan*, Karachi.

Printed at

TECHNICAL PRINTERS
Koocha Haji Usmani, I. I. Chundrigar Road, Karachi.

IQBAL REVIEW

Journal of the Iqbal Academy Pakistan

JULY, 1975

IN THIS ISSUE

IQBAL ACADEMY PAKISTAN
KARACHI